R. No. 2186/57

Regd. No. L. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

1-8-15-22

Phone—29

Annual Rs. 5/-

per Copy-15 P.

جلد ۲۷ ۔ شمارہ ۲۵ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | یکم جولائی ۱۹۶۸ء

اداریہ

اترپردیش کی ریاستی شاخ

اترپردیش کی ریاستی شاخ کے نئے انتخابات اب تک نہ ہو سکے تھے۔ اب ۲۸ مئی کو یہ انتخابات ہوئے اور خوشی کی بات ہے کہ اتفاق رائے سے ہوئے۔ ریاستی شاخ کے نئے صدر اردو کے پرانے خادم اور ممتاز کارکن جناب شیو ناتھ پرشاد ہوئے ہیں جو تحفظ مہم کے زمانے سے ریاست میں اردو کی بقا اور ترقی کے لئے برابر کام کر رہے ہیں۔ جنرل سکریٹری ایک اور کارآزمودہ اور مخلص کارکن جناب راحت علی خاں بنائے گئے ہیں۔ ہم دونوں کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتے ہیں اور توقع کرتے ہیں کہ ان حضرات کی رہنمائی میں اترپردیش میں اردو کی بقا اور ترقی کی مہم تیز ہوگی اور جلد رنگ دبار لائے گی۔

ہندوستان میں اردو بولنے والوں کی سب سے بڑی تعداد اترپردیش میں ہے۔ ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے مطابق یہ تعداد ۷۰ لاکھ تھی۔ اب تو اس سے بہت زیادہ ہوگی۔ اترپردیش اردو کا گہوارہ ہے۔ ریاست کی تہذیبی زندگی میں اردو کا حصہ بہت بڑا ہے۔ ریاست کی تاریخ میں اردو کے نقوش قدم قدم پر ملتے ہیں۔ دہلی کے بعد لکھنؤ نے اردو کو نکھارا اور سنوارا۔ اترپردیش میں آج بھی اردو کے اخباروں کی خاصی تعداد ہے۔ یہاں سے کتابیں بھی خاصی تعداد میں شایع ہوتی ہیں۔ یہاں کے بہت سے ادیبوں اور شاعروں کا معاصر اردو ادب میں ممتاز مقام ہے۔ یہاں کی تہذیب، معاشرت، رسم و رواج، آداب محفل، بول چال، غرض زندگی کے ہر شعبے میں اردو کی چھاپ مل جائے گی۔ غازی آباد سے مغل سرائے تک ریل میں سفر کیجیے اور تھرڈ کلاس میں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ارباب سیاست کچھ کہیں مگر یہاں کی سب سے عام زبان، آج بھی اردو ہی ہے۔

مگر اس ریاست میں آزادی کے بعد سے اردو کا حال سب سے برا ہے۔ اگر اور کچھ نہ کیا جائے صرف لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی آٹھوں رپورٹوں کی ورق گردانی کر لی جائے تو معلوم ہوگا کہ دوسری ریاستوں کے مقابلے میں اردو بولنے والوں کی آبادی کے لحاظ سے ابتدائی اسکولوں میں اردو کے ذریعہ سے تعلیم حاصل کرنے والوں کی تعداد یہاں بہت کم ہے۔ یہ تعداد بھی زیادہ تر دینی تعلیمی بورڈ کے اپنے اسکولوں یا مکاتب یا مدارس کے طلبہ کی ہے ضلع پریشد اور لوکل باڈیز کے زیر اہتمام عام اسکولوں کی کل تعداد کو دیکھتے ہوئے اردو اسکولوں کی تعداد بہت کم ہے۔ ثانوی اسکولوں میں اردو ایک اختیاری مضمون کی حیثیت سے کچھ اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے مگر اردو کے ذریعے سے ثانوی تعلیم سرے سے پوری ریاست میں دی ہی نہیں جاتی۔ سہ لسانی فارمولے کی رو سے توقع تھی کہ جن بچوں کی مادری زبان اردو ہے انھیں اردو تیسری زبان کے طور پر پڑھنے کا موقع ضرور فراہم کیا جائے گا مگر یہ بھی بہت کم اسکولوں میں ہوا ہے۔ زیادہ تر سنسکرت تیسری زبان کے طور پر پڑھائی جاتی ہے۔ غرض ریاستی حکومت نے اردو کی طرف سے بڑی غفلت برتی ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ آزادی کے بیس سال بعد بھی اردو پڑھنے والوں کی تعداد میں کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں ہوا اور اردو بدستور کس مپرسی اور بے حسی کی شکار ہے۔ ان حالات میں ہماری ریاستی شاخ کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے۔ سب سے پہلے تو ہر ضلع میں انجمن کی شاخ کو فعال بنانا ہے اور اسے اس کام پر لگانا ہے کہ اپنے علاقے میں اردو میں ابتدائی تعلیم، ثانوی تعلیم اور سہ لسانی فارمولے میں اردو کے لیے گنجائش پر اپنی پوری توجہ اور طاقت صرف کر دے۔ یہ بنیادی کام ہے۔ اس کے بغیر اردو کی ترقی کا خیال، خیال خام ہے۔ اس سلسلے میں یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ صرف ضلع پریشد اور لوکل باڈیز سے کہنا کافی نہیں۔ اگر یہ ادارے انتظام کرنے میں ٹال مٹول کریں اور دستور کی صریح ہدایت کی خلاف ورزی کریں تو

اپنے ادارے قائم کرنے چاہئیں جنہیں دستور کے مطابق سرکاری امداد بھی ملے۔ یعنی ضلع کی شاخوں کا کام دہرا ہونا چاہئے۔ ایک طرف یہ حکومت کو توجہ دلائیں اور دوسری طرف اپنے وسائل سے کام لے کر خود اردو کے اسکول چلائیں۔

ضلع کی شاخوں کو فعال بنانے کے بعد ریاستی شاخ کو پوری ریاست میں اردو کی تعلیم کی مہم کا آغاز کرنا چاہئے اور تعلیم کے علاوہ عدالتوں، دفاتر، اور زندگی کے اور رفاہ عام کے دوسرے شعبوں میں اردو کے تحفظ کے لیے زور دینا چاہئے۔ اترپردیش کی شاخ بعض مجبوریوں کی وجہ سے ادھر ریاست میں اردو کے تحفظ کے کام پر پوری توجہ نہیں کر سکی ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ اب ریاستی شاخ کے نئے عہدہ دار اس بنیادی کام کو اپنے ہاتھ میں لیں گے ریاستی شاخ کا دفتر زیادہ پابندی سے کام کرے گا۔ اور ہمیں پوری ریاست کے اردو دوستوں کے تعاون سے اترپردیش میں اردو کو اس کا حق دلانے میں کامیابی ہو سکے گی۔

بیرونی ممالک میں غالب کی سویں برسی کی تیاری

آئندہ فروری کے مہینہ میں حکومت پاکستان مشہور اردو شاعر اسداللہ خاں غالب کی یاد میں ایک یادگاری ڈاک ٹکٹ جاری کرے گی غالب کی صد سالہ تقریبات کے سلسلہ میں خاص پروگرام نشر کیے جائیں گے۔ ان کا مسودہ جمع کیا جا رہا ہے۔ ہندوستان، افغانستان، ایران، روس، برطانیہ اور امریکہ میں بھی غالب کا سویں برسی منانے کے لیے تیاریاں کی جا رہی ہیں۔

اس سلسلہ میں ان ممالک میں نمائشیں اور مشاعرے ہوں گے اور کتابیں چھاپی جائیں گی۔ ہندوستان میں اس مقصد سے ایک کمیٹی قائم کی گئی ہے جس کے سرپرست ڈاکٹر ذاکر حسین اور صدر مسز گاندھی ہیں۔

اقوام متحدہ کی ثقافتی تنظیم کی طرف سے بھی غالب کے بارے میں خاص مطبوعات شائع کی جا رہی ہیں۔　　(سیاست)

اختر نظمی

نغموں کا المیہ

میرے نغموں کی کسک، دردِ مرے گیتوں کا
میں تو سمجھا تھا کہ ہر دل میں اتر جائے گا
یہ نہ سوچا تھا کہ تفریق کے ہنگاموں میں
کوئی آواز ابھرنے ہی نہیں پائے گی!
راگنی کوئی سنورنے ہی نہیں پائے گی!
لوگ عادی ہیں اندھیروں کے تو میرا کیا ہے
میں بھی راگوں کی شعاعیں نہ بکھیروں گا کبھی
میں کسی بزم میں اب ساز نہیں چھیڑوں گا
کوئی لے اب مرے ہونٹوں پہ نہ رقصاں ہوگی
اپنی امیدوں کا سرمایہ، تمنا کا چمن
اپنے ہاتھوں سے لٹا دوں مجھے منظور نہیں!
خونِ دل خونِ جگر دے کے سنوارا ہے انہیں
میں نے ہر چیز گنوا دی ہے تو پایا ہے انہیں

احمد آباد سے اردو ماہنامہ کا اجرا

احمد آباد: بزم خلوص مرزا پور، احمد آباد نے طے کیا ہے کہ یکم اگست سے احمد آباد سے ایک ماہنامہ ندائے گجرات کا اجرا کیا جائے یہ ماہنامہ گجرات کا پہلا اردو ماہنامہ ہوگا۔ اس سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر خط و کتابت کی جا سکتی ہے۔ (دفتر ماہنامہ ندائے گجرات مرزا پور روڈ کیس و ڈرین احمد آباد)

شاہد احمد دہلوی کے مضامین کا مجموعہ اجڑا دیار شائع ہو گیا

علی گڑھ ادبی حلقوں میں یہ خبر مسرت سے پڑھی جائے گی کہ شاہد احمد دہلوی مرحوم کے اُن مضامین کا مجموعہ شائع ہو گیا ہے جس کا موضوع دلّی ہے۔ اجڑا دیار میں ۲۲ مضامین شامل ہیں۔ جن میں شاہد احمد دہلوی نے دلّی کی جیتی جاگتی تصویریں کھینچی ہیں۔ اس مجموعہ کی قیمت دس روپیہ ہے اور ملنے کا پتہ ہے مشتاق بک ڈپو، اردو کالج شلوان روڈ کراچی ع۱

تحریر و تنقید

پرویز بک ایجنسی حیدرآباد نے اُردو کے نئے نقاد و ادیب جناب طیب انصاری کے تنقیدی مضامین کے پہلے مجموعہ "تحریر و تنقید" کی اشاعت کی ذمہ داری قبول کی ہے۔ اس مجموعہ مضامین کے بیشتر مضامین ہند و پاک کے مختلف رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ توقع ہے کہ ماہ ستمبر تک یہ کتاب شائع ہو جائے گی۔

میرا ایوارڈ کے لئے اردو کی چار کتابیں منتخب

لکھنؤ ۲۴ جون آل انڈیا میرا اکاڈمی نے ۱۹۶۶ء کی اردو تصانیف میں سے چار کو میرا ایوارڈ کے لئے منتخب کرتے ہوئے مجموعی طور پر دو ہزار روپے کے انعامات دینے کا اعلان کیا ہے۔ آل انڈیا میرا ایوارڈ کے لئے منتخب کتابوں میں ماثر ملا دری (از قاضی ابرار حسین) دبستان دبیر (از ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی بمبئی) جگر حیات و شاعری (از ڈاکٹر محمد اسلام لکھنؤ) اور [illegible] اردو ڈرامہ (از عبدالحلیم نامی بمبئی) ہیں۔　　(قومی آواز)

سید احتشام حسین

لسانی پیچیدگیاں، دستورِ ہند اور اردو

دنیا کا شاید ہی کوئی ملک ہوگا جس میں لسانی مسئلہ اتنا الجھا ہوا ہو۔ جتنا ہندوستان میں یہ الجھاؤ کچھ تاریخی حالات کا نتیجہ ہے اور کچھ ان کو نہ سمجھنے کا، کچھ غیر شعوری طور پر الجھ گیا ہے کچھ شعوری کوششوں سے الجھایا جا رہا ہے۔ اس پیچیدگی کے اسباب سیاست، مذہب، تعلیم، قومیت، قومی اتحاد اور جذباتی ہم آہنگی کے غلط رجعت پسندانہ، غیر عقلی اور محدود مفاد پرستانہ تصورات میں تلاش کئے جا سکتے ہیں۔ ورنہ عقلی حیثیت سے بات اتنی ہی ہے کہ جو فرد بھی کسی زبان کو اپنی زبان کہتا ہے اسے اس میں اظہار خیال کی مکمل آزادی ہو اور عدل و انصاف کا تقاضا ہے کہ سماج اس کے لئے بھی وہی سہولتیں فراہم کرے جو کسی زبان کے لئے فراہم کی جا سکتی ہیں۔ بولنے والوں کی کمی کی وجہ سے یا ان کے انتشار بسنے کی وجہ سے کسی زبان کو اس کے حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ عملی دقتوں کی وجہ سے پابندیاں اس حد تک عائد کی جا سکتی ہیں جس حد تک اس زبان کی بقا اور ترقی کو نقصان نہ پہنچائیں ہندوستان میں اردو کے مسئلہ پر غور کرتے ہوئے یہاں کے تعلیم یافتہ اور بہ ظاہر جمہوریت دوست بھی ان باتوں پر دھیان نہیں دیتے۔

یہ حقیقت کسی سے بھی پوشیدہ نہیں کہ ہندوستان میں مختلف گروہوں اور لسانی نسلوں کی متعدد زبانیں رائج ہیں، بعض ایک دوسرے سے بہت دور ہیں، بعض بہت قریب۔ دراوڑ زبانیں آریائی سے، آریائی، کشمیری سے کشمیری، تبتی اور بعض شمالی ہند کی پہاڑی بولیوں سے بہت مختلف ہیں پھر خود ان کے اندر اختلافات ہیں دراوڑ زبان کے چار روپ ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔ آریائی زبانیں بنیاد میں ایک ہونے کے باوجود الگ الگ قرار دی جاتی ہیں اور کوئی ایک دوسرے میں ضم ہونا نہیں چاہتی بعض بولیاں جنھیں علمائے لسانیات زبان کا درجہ نہیں دیتے زبان ہونے اور اپنا الگ وجود رکھنے کا دعویٰ کرتی ہیں، ان کی خواہش بھی یہی ہے کہ وہ کسی دوسری زبان میں ضم نہ ہوں۔ کوئی ایک زبان ایسی نہیں ہے جو ملک کے ہر حصہ میں یکساں یا عام طور سے سمجھی جاتی ہو۔ یہ ساری باتیں تو اتنی واضح ہیں کہ ان کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں صرف اتنا یاد رکھنا چاہئے کہ جن زبانوں کے علاقے معین بھی ہیں انھیں کے اندر ایسے گروہ بھی بستے ہیں جو وہاں کی علاقائی زبان کو اپنی زبان نہیں سمجھتے ضرور دیکھنے اور استعمال کرنے کی بات اور ہے۔ ایسی جگہوں پر بڑی زبان چھوٹی کو دبانے کی جو کوشش کرتی ہے اس کی مثالیں بھی ہندوستان کے لسانی تنازعہ میں بڑی آسانی سے مل سکتی ہے۔

اب ایک اور صورت حال پر نظر ڈالنا مناسب ہوگا اور وہ یہ کہ زبانوں کے استعمال اور چلن کے نقطۂ نظر سے یہاں کی زبانوں کا مطالعہ مندرجہ ذیل شکلوں میں بھی کرنا چاہئے کہ ان کی الگ الگ حدود کیا ہیں۔

(۱) زبان بحیثیت مادری زبان۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص سب سے پہلے ایک ایسی زبان استعمال کرتا ہے جو وہ اپنے گھر کے اندر سنتا اور زیادہ کاوش کے بغیر تقریباً فطری طور پر استعمال کرنے لگتا ہے۔ عام طور سے اس زبان کو بولنے والے کی اصل زبان کہا جائے گا۔ اسی کے لئے یہ کہا گیا ہے کہ انسان اسی میں سوچتا اور آسانی سے اظہار خیال کرتا ہے اس لئے اس کی تعلیم اسی زبان میں ہونا مناسب ہے۔

(۲) علاقائی زبان۔ جغرافیائی، تاریخی اور تہذیبی اسباب سے بعض علاقوں میں تقریباً سبھی لوگ ایک زبان استعمال کرتے ہیں، یہ اس علاقہ کی علاقائی زبان ہوگی حالانکہ یہ ضروری نہیں کہ وہی اس علاقہ کے تمام لوگوں کی مادری زبان بھی ہو۔ چونکہ ایک مخصوص علاقے میں ایک زبان اکثریت کی ہو جاتی ہے اس لئے وہ علاقہ اسی کے نام سے منسوب ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس علاقہ میں کوئی دوسری زبان موجود ہی نہیں ہے۔ دوسری زبان کے بولنے والے اگر خاص تعداد میں ہوں تو وہ یہ مطالبہ کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ ان کی زبان کو بھی دوسری علاقائی زبان کا درجہ دیا جائے۔ اس علاقہ کے بہت سے لوگ دو زبانوں کے جاننے والے بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ صورت سرحد پر خاص طور سے نمایاں ہوگی جہاں دو زبانیں ایک دوسرے پر گہرا اثر چھوڑتی ہیں۔

(۳) سرکاری زبان۔ یہ وہ زبان ہے جو قانون کے ذریعہ کسی خاص علاقہ یا پورے ملک میں دفتری اور دوسرے کاموں کے لیے استعمال کا حق حاصل کرتی ہے۔ یہ علاقائی زبان بھی ہو سکتی ہے کسی مخصوص تاریخی یا سیاسی وجہ سے بھی یہ منصب حاصل کر سکتی ہے۔ انتظامی حالات کے پیش نظر مختلف ریاستیں اپنی اپنی سرکاری زبانوں کے قانون بنا سکتی ہیں۔ اور پھر پورا ملک اپنی سرکاری زبان بنا سکتا ہے۔ یہ بھی کسی علاقے کی یا کچھ لوگوں کی مادری زبان ہو سکتی ہے اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی سیاسی یا تاریخی حیثیت سے اس کی مستحق قرار دی گئی ہو جب یہ زبان کچھ لوگوں کی مادری زبان ہوتی ہے تو فطری طور پر انھیں اس کے استعمال میں زیادہ آسانی بھی ہوتی ہے اور ایک قسم کا

احساس برتری بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ ان کی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا۔

ایسی حالت میں دوسرے لوگ احساس زیاں کا شکار بھی ہوتے ہیں اور یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ ان پر ایسی زبان مسلط کی گئی ہے جو ان کی زبان نہیں ہے۔ انھیں تعلیم، امتحان وغیرہ میں بھی اکثر وہ سہولتیں نہیں حاصل ہوتیں جو اصل بولنے والوں کو ہوتی ہیں۔

(۴) دوسری سرکاری زبان۔ یہ وہ زبان ہوگی جو کسی خاص علاقہ میں بولنے والوں کی معتد بہ تعداد اور اپنی تاریخی اہمیت کی وجہ سے قانوناً دوسری سرکاری زبان قرار دی جائے گی۔ اسے تقریباً وہی مرتبہ حاصل ہوگا جو سرکاری زبان کو ہوگا۔ بس فرق یہ ہوگا کہ اس کے بولنے والوں کی تعداد کسی قدر کم ہوگی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے سارے کاموں کے بجائے چند ایسے بنیادی کاموں کے لئے استعمال کیا جائے جن کا تحفظ دستوری نقطۂ نظر سے ضروری ہو۔

(۵) مشترک زبان۔ یہ زبان رابطہ کے لئے فطری طور پر استعمال ہونے لگتی ہے یا قانونی مرتبہ حاصل کر لینے کے بعد لوگوں کے درمیان اظہار خیال کی کڑی بن جاتی ہے۔ اسے قانونی مرتبہ کبھی نہ حاصل ہو تو یہ لوگوں کے درمیان رابطہ کا کام دیتی رہتی ہے۔

(۶) قومی زبان ایک مشترک اور متحد قوم اگر بہ خوشی کسی ایک زبان کو اپنی قومی زبان قرار دیتی ہے تو کوئی بات ہی نہیں لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو اس قوم کے لوگ جتنی زبانیں استعمال کرتے ہیں سب قومی کہی جائیں گی۔ کوئی ایک دوسرے سے کمتر نہیں قرار دی جا سکتی۔ کسی کو "غیر قومی" یا بیرونی نہیں کہا جا سکتا۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ سرکاری زبان کا قومی زبان ہونا لازمی نہیں، دونوں مترادف نہیں ہیں۔ قومی زبان میں جبر کا شائبہ نہیں۔ سرکاری زبان بہ جبر بھی قانوناً لوگوں پر مسلط کی جا سکتی ہے۔

جب ہم زبان کا لفظ فرد، ریاست اور چلن کے سلسلہ میں استعمال کرتے ہیں تو غالباً ہمارے سامنے انھیں میں سے کوئی صورت ہوتی ہے (ادبی زبان کی بحث یہاں اس لئے نہیں ہو سکتی ہے کہ اس معاملہ میں ہم کوئی زبان بھی ادبی اظہار کے لئے استعمال کر سکتے ہیں چاہے وہ مادری ہو یا علاقائی، قومی یا غیر قومی) اب ذرا یہ دیکھنا چاہئے کہ اردو کو ہندوستان کے کسی علاقے میں کیا حیثیت حاصل ہے اور دستور ہند اس سلسلہ میں کس حد تک اس کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے۔

اردو زبان ہندوستان کے کروڑوں باشندوں کی مادری زبان ہے۔ بعض علاقوں میں اس کے بسنے والوں کی تعداد کم ہے بعض میں بہت زیادہ یوپی، بہار، دہلی، آندھرا پردیش، مدھیہ پردیش کے بعض حصے ہریانہ اور پنجاب کے بعض حصے ایسے ہیں جہاں دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ اسے بھی علاقائی حیثیت حاصل ہے جن کی یہ مادری زبان نہیں ہے۔ وہ بھی اسے بولتے اور سمجھتے ہیں۔ بدقسمتی سے یوپی، بہار، مدھیہ پردیش اور آندھرا پردیش کے علاقوں نے اپنے یہاں کی سرکاری زبانیں قانون کے ذریعہ سے ہندی اور تلگو مقرر کر دی ہیں۔ ان میں سے کم سے کم تین ریاستوں کی طرف سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ ان علاقوں میں اردو کو دوسری سرکاری زبان قرار دے دیا جائے۔ آئینی حیثیت سے اس مطالبہ کو دفعات ۱۹، ۲۹، ۳۰، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۵۰، ۳۵۰ (الف) اور ۳۵۰ (ب) سے تقویت پہونچتی ہے۔ ایک طرف آئین نے زبان کے آزادانہ استعمال کو بنیادی حقوق میں جگہ دی ہے دوسری جانب جمہوریہ ہند کے صدر اور مجالس قانون ساز کو یہ اختیار دے رکھا ہے کہ وہ مطالبہ کے جانے پر اردو کو بھی (یا کسی زبان کو) سرکاری زبان کا درجہ دے سکتے ہیں۔ اگر یہ حق نہیں دیا جاتا تو دفعہ ۱۵ (یعنی کسی کو اس کے مذہب، زبان، جنس، نسل وغیرہ کی وجہ سے دوسرے سے برتر یا کمتر نہیں سمجھا جائے گا) دفعہ ۱۹ (جس میں استعمال زبان کی آزادی ہر شہری کے لئے تسلیم کی گئی ہے) دفعہ ۲۹ (جس میں ہندوستان میں بسنے والے ہر گروہ کی زبان، رسم خط اور تہذیب کے تحفظ کا اعلان ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا ہے کہ کوئی شخص اپنی زبان، مذہب، نسل وغیرہ کی بنیاد پر کسی تعلیمی ادارے میں داخل ہونے سے نہیں روکا جائے گا) دفعہ ۳۰ (جس میں اقلیتوں کو اپنی زبان کو ترقی دینے کے لئے ادارے قائم کرنے کا حق ہے) اور شہریت کے بنیادی حقوق کا اعلان سب بے معنی ہو جائیں گے۔ ہر ریاست کو شہری کی مادری زبان میں تعلیم کا انتظام کرنے کی ہدایت دفعہ ۳۵۰ (الف) میں موجود ہے۔ ان سب پر بالا دفعہ ۳۵۰ ہے جس میں ہندوستان کے کسی شہری کو ہندوستان کے خطہ میں کسی زبان میں (جس کا شیڈیول آٹھ میں ذکر ہے) شکایتی درخواست دینے کا حق حاصل ہے اور کسی علاقائی عدالت کو قانوناً اس درخواست سے انکار کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

اگر محض آئینی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو حسب ذیل باتیں واضح ہیں:

(۱) اردو ہندوستان کی ایک قومی زبان ہے۔

(۲) اردو جن کی مادری زبان ہے انھیں اس میں تعلیم حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔

(۳) اردو میں درخواستیں ہندوستان کی کسی عدالت میں دی جا سکتی ہیں اور عدالت انکار نہیں کر سکتی۔

(۴) جہاں اردو بولنے والے خاص تعداد میں ہیں وہاں وہ صدر جمہوریہ سے بھی مطالبہ کر سکتے ہیں اور ریاستوں کی (بقیہ صفحہ پر)

خلیل الرحمٰن اعظمی

رفتار

پروفیسر رشید احمد صدیقی نے "مکتوبات نیاز" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ بہترین خطوط وہ ہوتے ہیں جو جلا دیئے جائیں" غالباً یہ ردعمل تھا ان خطوط کے مطالعے کا جو خطوط غالب کی شہرت و مقبولیت کے بعد عالم وجود میں آئے اور انھیں پڑھ کر یہ گمان ہونے لگا کہ یہ "بغرض اشاعت" تحریر کئے گئے ہیں اس لئے ان میں وہ بے تکلفی اور بے ساختگی نہیں پائی جاتی جو نجی خطوں کی سب سے اہم خصوصیت ہے۔ یہ بات اپنی جگہ پر صحیح بھی ہے کہ ذاتی خطوط اگر تصنیف و تالیف کا رنگ اختیار کر لیں تو لکھنے والے کو چاہئے کہ ان خیالات یا معلومات کو کتاب یا مقالے کی صورت میں ہی قلم بند کرے تاکہ ان سے ہر خاص و عام کو استفادے کا موقع مل سکے لیکن اس مسئلے کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ خطوط لکھنے والے کی شخصیت کا مظہر ہوتے ہیں اور شخصیتیں بھی مختلف طرح کی ہوتی ہیں کسی ایک شخص کے مختلف اشخاص سے تعلقات کی نوعیت بھی مختلف ہوتی ہے ماں، باپ، بھائی، بہن، بیٹے بیٹیاں، دوست، قرابت دار محبوب، پیر، مرید، استاد، شاگرد، بزرگ، خورد، دیدہ نادیدہ غرض کہ صدہا قسم کے رشتے اور نسبتیں اس دائرے میں آجاتی ہیں اس لئے خطوط کی بھی صدہا قسمیں ہوتی ہیں اور سب کی سب لکھنے والے کی شخصیت کے کسی نہ کسی پہلو کو سامنے لاتی ہیں۔ اس لئے صرف ضائع کر دینے اور جلا دینے کے قابل خطوط ہی اہم اور دلچسپ نہیں ہوتے بلکہ وہ بھی ہمارے لئے دلچسپی، عبرت اور بصیرت کا سامان ہوتے ہیں جو ضائع کرنے یا جلانے سے بچ جائیں یا جنھیں ضائع کرنے یا جلانے کی ضرورت محسوس نہ کی جائے۔ رشید صاحب کا مشورہ اگر ہم سب قبول کر لیں تو مجھے نہیں معلوم کہ اس کے کیا نتائج ہوں گے لیکن اردو زبان ایک اہم صنف سے ضرور محروم ہو جائے گی جو بیک وقت بہت سی اصناف کا مرکب یا مجموعہ بھی ہے اور اپنا علیحدہ ذائقہ بھی رکھتی ہے۔ غالب، سرسید، شبلی اور مہدی افادی سے لے کر محمد علی ردولوی اور صفیہ اختر تک کے مجموعۂ مکاتیب کے مطالعے سے میں نے یہی رائے قائم کی ہے اور اب یہ رائے اور بھی مستحکم ہوتی جا رہی ہے۔ نقوش (لاہور) کے "خطوط نمبر" کی اشاعت کا میں اسی لیے خیر مقدم کرتا ہوں اور اسے اردو زبان کے سرمائے میں ایک اضافہ تصور کرتا ہوں۔

محمد طفیل کا رسالہ "نقوش" اپنے ضخیم اور شاندار نمبروں کی اشاعت کی وجہ سے اپنی خاص انفرادیت متعین کر چکا ہے خاص طور پر شخصیات نمبر (دو حصے)، آپ بیتی نمبر (دو حصے) اور مکاتیب نمبر کی اشاعت کے بعد تو بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت دنیا کی کسی زبان میں بھی اتنے بڑے پیمانے پر کسی رسالے کی خاص اشاعتوں کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ رسالے کیا ہیں انھیں دیکھ کر "انسائیکلوپیڈیا" کا گمان ہوتا ہے۔ خطوط کی فراہمی کے سلسلے میں تو اور بھی حیرت ہوتی ہے اس لئے کہ سب سے پہلے ۱۹۵۷ء میں نقوش کا مکاتیب نمبر (دو حصے) میں شائع ہوا اب ۱۹۶۸ء میں خطوط نمبر تین حصوں میں چھپ کر سامنے آیا ہے جس کی ضخامت تقریباً دو ہزار صفحات ہے۔ غالب اور سرسید سے لے کر دور حاضر تک کی تمام اہم علمی، ادبی، سیاسی اور مذہبی شخصیتوں تک ان خطوط کا دائرہ پھیلا ہوا ہے۔ ان میں نجی حیثیت کے خطوط بھی ہیں اور وہ بھی جن کو تاریخی یا علمی دستاویز کی حیثیت سے محفوظ کر دینے کی ضرورت تھی اس لئے کہ ان خطوط کے ذریعہ گزشتہ ایک صدی کی سیاسی اور تہذیبی زندگی اپنے پورے خد و خال کے ساتھ ہمارے سامنے آتی ہے۔

ان خطوط کا مفصل جائزہ لینا ان صفحات میں ممکن نہیں ہے اور ان کی افادیت کا صحیح اندازہ بھی بغیر تفصیلی مطالعے کے نہیں کیا جا سکتا۔ کہیں کہیں سے بعض دلچسپ ٹکڑے یہاں نقل

ندا فاضلی

غزل

منہ کی بات سنے ہر کوئی دل کے درد کو جانے کون
آوازوں کے بازاروں میں خاموشی پہچانے کون

لاکھ پکارے سورج سورج، لاکھ بچائے دھوپ گھڑی
اندھوں کی اندھی نگری میں دیوانے کی مانے کون

صدیوں صدیوں وہی تماشا رستہ رستہ انتھک کھوج
لیکن جب ہم مل جاتے ہیں کھو جاتا ہے جانے کون

جانے کیا کیا بول رہا تھا سرحد، پیار، کتابیں، خون
کل میرے بستر پر تھک کر لیٹ گیا تھا جانے کون

کرن کرن الساتا سورج پلک پلک کھلتی نیندیں
دھیمے دھیمے بکھر رہا ہے ذرہ ذرہ جانے کون

سکے جاسکتے ہیں:

"مولانا حالی اب تک علی گڑھ میں ہیں۔ نئی بات یہ ہے کہ حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب نے جو میری لائف منشی سراج الدین سے لکھوائی تھی انھوں نے مولوی الطاف حسین صاحب کو دے دیا۔ اب مولوی الطاف حسین بطور خود میری لائف لکھیں گے اور خود ہی چھپوائیں گے۔ اور جو چاہیں گے کریں گے میں بھی اس پر راضی ہوگیا ہوں کہ مولوی الطاف حسین جو لکھیں چھاپی جاوے۔ آں مولوی سراج الدین نے جو کچھ لکھا تھا وہ چھاپہ ہونے کے قابل نہ تھا بعض واقعات اس میں صحیح نہ تھے اور طرز بیان درست نہ تھا۔ لائف ایک مدح نامہ نہیں ہوتی بلکہ ایسی ہونی چاہئے کہ اس شخص کی بھلائی برائی سب کا نمونہ ہو اور الفاظ مدح و ذم اس سے زیادہ معنوں پر دلالت کرنے والے نہ ہوں جو درحقیقت اس میں ہو میری نسبت لکھ دینا کہ بہت ذی علم و فاضل اکمل ہیں کیسی غلط بات ہے۔"

(سر سید احمد خاں بنام مولوی ممتاز علی)

"ایک امر اخلاقی کے متعلق آپ سے مشورہ چاہتا ہوں۔ آج کل یہ رواج ہوگیا ہے کہ ہر مسلمان جو تھوڑا بہت ترک موالات میں کچھ حصہ لے اور بالخصوص جس پر کوئی مقدمہ قائم ہو اس کو خطاب مولانا دے دیا جائے۔ میرے نزدیک یہ طریقہ صحیح نہیں ہے اور ہر شخص اس تعظیم کا مستحق نہیں ہے کہ وہ مولانا کہا جائے۔ سوراج کی کوشش میں معمولی آداب و القاب کو میری رائے میں ترک کرنا مناسب نہیں ہے اور لفظ مولانا ہرگز بمنزلہ لفظ مسٹر نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی کسی نہ کسی تعلیمی یا اخلاقی لفظ سے ہر شخص خواہ ہندو ہو یا مسلمان یاد کیا جانا چاہیے ہندی میں لفظ شری یت یا شری جان ایسے جامع ہیں کہ جو ہر شخص کی نسبت استعمال کئے جاسکتے ہیں کسی خاص قابلیت کی ضرورت نہیں رکھتے۔ اس کے علاوہ لالہ، بابو، پنڈت اور بہت سے الفاظ ہیں جو خاص خاص ہندوؤں کی جماعت کی نسبت بلالحاظ قابلیت یا درجہ استعمال ہوسکتے ہیں۔ ایسا ہی کوئی لفظ مسلمان صاحبان کے لئے بھی ہونا چاہئے مولوی یا منشی بھی ہر شخص کو نہیں کہا جاسکتا میرے خیال میں لفظ "صاحب" نام کے اخیر میں قریب قریب لفظ مسٹر کے معلوم ہوتا ہے لیکن آپ کے رائے صاحب کی ضرورت ہے۔"

(موتی لال نہرو بنام مولانا عبد الباری فرنگی محلی)

"آپ نے ایک تراشہ بھیجا تھا "شوکت تھانوی ایکٹر بن گیا" خداوند کریم اسی گناہ کو معاف کردے کہ فلموں کی کہانیاں اور مکالمے لکھتا ہوں مگر باپ دادا کی عزت کا ایسا دشمن بھی نہیں کہ ایکٹنگ شروع کردوں ؎

غلطی ہائے کتابت مت پوچھ
لوگ شوکت کو تھانہ مے "تے" ہیں"

(شوکت تھانوی بنام مولانا عبد الماجد دریابادی)

"شرخ آنچل" ایک مجموعہ میری عدم موجودگی میں پوسٹ مین گھر دے گیا میری بیوی نے اسے کھول کر دیکھا تو اس میں عورتوں کے فوٹو اور محبت بھرے افسانے موجود تھے۔ اسی سلسلے میں ممتاز شیریں نے مجھے ایک خط اپنے رسالے کے لئے لکھا تھا وہ بھی اسی دن پہنچا تھا اس نے اسے بھی کھول کر پڑھ لیا۔ ممتاز شیریں کا نام دیکھ کر اچھل پڑی اور میری والدہ سے کہا دیکھئے آپ کے لڑکے پرائی عورتوں سے خط و کتابت کرتے ہیں۔ والدہ صاحبہ ایک ہی سیدھی سادی ٹھہریں۔ میں جب آیا تو مجھ پر برس پڑیں کہ یہ کیا نالائقی ہے۔ میں نے ہر چند سمجھایا کہ ادب و شعر میں یہ چیز بری نہیں یہ سب ادبی خدمت کے سلسلے میں مجھے خط لکھا کرتی ہیں مگر وہ اسے تسلیم کرنے کو تیار تھیں نہ والدہ مگر پھر رفتہ رفتہ بات صاف ہوگئی۔"

(شاد عارفی بنام علی حماد عباسی)

"بھائی اسمٰعیل تبلیغ کردوں گا کانگرس کے موقع پر آنے کی لیکن شرطیکہ آپ کے "فسانۂ عزائم" صاحب کو خبر نہ ہوجائے ورنہ وہ بزرگوار محض اپنے آپ کو پہنچوانے کے طفلانہ جذبے میں آکر میری راہ میں لاکھوں ہمالہ تعصب کے کھڑا دیں گے۔ ہر چند کہ بار بار کہہ چکا ہوں:

اے یار خدا جان چکا ہوں تجھ کو
جانا ہی نہیں مان چکا ہوں تجھ کو
پھر کیوں ہے مرے فسخ عزائم پہ مصر
کہتا ہوں کہ پہچان چکا ہوں تجھ کو

لیکن ان حضرت کو یقین ہی نہیں آتا اور یقین آئے تو کیونکر عادت تو آپ حضرات نے بگاڑ دی ہے ان کی۔ جس شخص کو آپ کا سی سہمی ہوئی عبدیت

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

صفحہ ۴ سے آگے

مجالس قانون ساز سے بھی کہ ان کی زبان کو بھی سب کاموں کے لئے یا کچھ کاموں کے لئے دوسری سرکاری زبان تسلیم کیا جائے۔ (خاص یا معتدبہ تعداد کی قانونی تعبیر جو بھی ہو، حقیقت یہ ہے کہ یوپی، بہار، دلی اور آندھرا پردیش میں اردو کو وہ تاریخی، تہذیبی اور لسانی حیثیت حاصل ہے کہ اسے استعمال کئے بغیر ایک بہت بڑی جماعت کا کام ہی نہیں چل سکتا۔)

(۵) بہ ظاہر کسی اور قانونی تحفظ کی ضرورت نہیں ہے لیکن پھر بھی ریاستی محکمے، مرکزی دفاتر اور تعلیمی اداروں سے ان حقوق کے تحفظ میں غلطی ہو سکتی ہے، اس کے تدارک کے لئے دفعہ ۳۵۰ (ب) کے تحت لسانی اقلیتوں کے کمشنر کا تقرر کیا گیا ہے جو اپنی رپورٹ صدر جمہوریہ کے توسط سے پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرے گا تاکہ ناانصافیوں کی تلافی اور تدارک ہو سکے۔ اگر ان حقائق پر نگاہ رکھی جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب اردو کے لئے کسی قسم کے حق یا تحفظ حقوق کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ لیکن عملاً صورت حال یہ ہے کہ جہاں اردو بولنے والوں کی خاص تعداد مل رات مطالبہ کر رہی ہے وہاں بھی، بچوں کو ان کی مادری زبان اردو میں تعلیم دینے کا انتظام یا تو سرے سے نہیں ہے یا بالکل ناقص ہے۔ مطالبے کے باوجود بہت سی عدالتیں اردو میں کاروبار کی اجازت نہیں دیتیں، ان علاقوں میں جہاں اردو بولنے والے معتدبہ تعداد میں موجود ہیں اور برابر صدر اور ریاستی حکومتوں سے مطالبہ کر رہے ہیں اردو کو علاقائی یا سرکاری زبان کا درجہ نہیں دیا جا رہا ہے۔ بعض حقوق کے موجود ہوتے ہوئے ان کا حاصل نہ ہونا بعض سہولتوں کے قانونی طور پر درج آئین ہونے کے باوجود ان پر عمل درآمد نہ ہونا صرف اردو کے بولنے والوں کی کمزوری اور کوتاہی نہیں ہے دستور اور قانون کے ساتھ مذاق ہے جس کو کسی منصف مزاج جمہوریت دوست ہندوستانی کو برداشت نہیں کرنا چاہئے۔ اپنی انفرادیت، لسانی، ادبی اور تہذیبی حیثیت کی وجہ سے اردو کو ایک الگ زبان کا درجہ دیا گیا ہے۔ صرف یہ کہہ دینے سے کہ وہ ہندی کا ایک اسلوب ہے اس کی انفرادی حیثیت نہیں بدلتی۔ اسی انفرادیت کی وجہ سے قواعدی ساخت کی یکسانیت کے باوجود میتھلی کو ہندی سے علیحدہ الگ زبان تسلیم کیا گیا ہے اور وہ وقت دور نہیں جب راجستھانی بھی ہندی سے الگ ایک زبان تسلیم کر لی جائے گی۔ اردو کی اس انفرادیت کو نظر انداز کرنا جو صوتیاتی، نحوی، محاوراتی، ادبی حیثیت سے اپنا الگ نظام رکھتی ہے، لسانیات کے اصول ارتقاء سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

جب تک ہم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ اردو ایک علیحدہ زبان ہے اس وقت تک ہمیں اس کے ساتھ وہی برتاؤ کرنا ہوگا جو ہندوستان کی کسی دوسری زبان کے لئے روا رکھا جاتا ہے؟

اردو کی وہ حیثیت بھی نہیں ہے جو انگریزی یا سنسکرت کی ہے کیونکہ اردو اور سنسکرت یہاں نہ کسی کی مادری زبان ہے اور نہ ان کا کوئی علاقہ ہے۔ جب تک اردو کو خود اس کے علاقہ میں علاقائی زبان نہیں بنایا جائے گا اس وقت تک اردو بولنے والوں کے حقوق کا تحفظ نہیں ہو سکے گا۔ مجھے اردو کے علاقائی زبان یا دوسری سرکاری زبان تسلیم کئے جانے میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا جس پر بعض حضرات نے قلمی جنگ جاری کر رکھی ہے علاقائی یا سرکاری زبان تسلیم کئے جانے کے معنی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوں گے کہ

۱۔ جن بچوں کی مادری زبان اردو ہے ان کو اردو میں تعلیم دی جائے۔

۲۔ جو طلبہ ثانوی درجوں میں اردو کے ذریعے تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں انھیں سہولتیں دی جائیں اور ان کے لئے نصاب کی کتابیں فراہم کی جائیں۔

۳۔ اعلیٰ تعلیم میں بھی اردو کے لئے سہولتیں مہیا کی جائیں اور اردو اساتذہ کی تربیت کا انتظام ہو۔

۴۔ سرکاری قوانین، گزٹ، احکام، اعلانات اور ٹنڈروں کی فہرستیں اردو میں بھی ہوں۔

۵۔ عدالتوں میں درخواستیں اردو میں قبول کی جائیں اور اردو دستاویزات کی رجسٹری بھی ہو۔

۶۔ اردو کی ہمت افزائی اسی طرح کی جائے جیسے کسی دوسری زبان کی۔

یہ وہ کم سے کم مطالبات ہیں جن کی دستور میں گنجائش ہے ان کے حاصل کرنے کی جد و جہد میں اور مطالبات پیش کرنے کے طریق کار میں اختلاف ہو سکتا ہے ان میں تبدیلی یا کمی نہیں ہو سکتی۔

(بشکریہ قومی آواز)

مراسلات

غالب کا ایک قطعہ

ہر چہ در گفتار فخر تست آں ننگِ منست

میرے کتب خانہ میں کلیات غالب فارسی مطبوعہ مطبع نول کشور لکھنؤ کا ۱۸۷۲ء کا چھپا ہوا دوسرا اڈیشن ہے اور اس کے صفحہ ۱۳ پر قطعہ نمبر ۱ اس شعر سے شروع ہوتا ہے۔

اے کہ در بزم شہنشاہِ سخن رس گفتۂ
کے بہ پیش گوئی فلاں در شعر ہم سنگِ منست

اس قطعے میں انیس اشعار ہیں اور اسی قطعے کے چوتھے شعر میں مجموعۂ اردو کہ بے رنگِ منست اور بارہویں شعر میں ننگِ منست کہا گیا ہے۔

چونکہ اس قطعے کے چودھویں شعر میں بہادر شاہ ثانی کا اسم گرامی اس طرح نظم کیا گیا ہے ؎

دیدہ ور سلطاں سراج الدین بہادر شہ کہ از
آں شہ رسید کہ پنہاں در رنگِ ننگِ منست

لہٰذا اس میں تو کوئی شک نہیں کہ جس شہنشاہِ سخن رس کی بزم میں کسی شاعر کو پیش گوئی میں غالب کا ہم سنگ بتا کر غالب کے دعوی استادانہ عیزی کو مجروح کیا گیا تھا وہ شہنشاہ بہادر شاہ ثانی تھا لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ بزم شاہنشاہ میں پیش گوئی میں کس نے کس کو غالب کا شریک بتایا تھا؟

بے شک مولنا محمد حسین آزاد نے علی سبیل الاحتمال اور مولنا الطاف حسین حالی نے وثوق کے ساتھ غالب کے اس قطعے کا مخاطب ذوق کو بتایا ہے لیکن آب حیات اور یادگار غالب کے الفاظ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ مولنا آزاد اور مولنا حالی نے اس قطعے کو دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی تھی بس سماعیات پر اعتبار فرما لیا تھا اور اسی وجہ سے ان دونوں بزرگوں کو غالب کے اس قطعے کے اشعار کی صحیح تعداد بھی معلوم نہیں تھی۔

مولانا آزاد آب حیات طبع ثانی کے صفحہ ۴۸۸ کے حاشیہ میں یہ ارشاد فرماتے ہیں "دیوان فارسی میں پچیس شعر کا ایک قطعہ لکھا ہے بعض اشخاص کا قول ہے کہ ذوق کی طرف چشمک ہے غرض اسی میں کا ایک شعر ہے ؎

راست می گویم من و از راست سر نتواں کشید
ہر چہ در گفتار فخر تست آں ننگِ منست

اور مولنا حالی یادگار غالب کے صفحہ ۱۰۶ پر یوں رقمطراز ہیں۔ "قطع نظر اس کے وہ اس زمانے کے خیالات کے موافق اردو شاعری کو داخل کمالات نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس میں اپنی کسرِ شان جانتے تھے چنانچہ ایک فارسی قطعہ میں جس کی نسبت مشہور ہے کہ اس میں شیخ ابراہیم ذوق کی طرف خطاب ہے کہتے ہیں ؎

فارسی بیں تا ببینی نقشہائے رنگ رنگ — بگذر از مجموعۂ اردو کہ بے رنگِ منست
راست می گویم من و از راست سر نتواں کشید — ہر چہ در گفتار فخر تست آں ننگِ منست

کیا خوب ہو اگر غالب کی صد سالہ برسی کے سلسلے میں کوئی اہل نظر بزرگ یہ تحقیق فرمالیں کہ غالب کے اس قطعے کے مخاطب خاقانی ہند ذوق تھے یا کوئی اور استاد؟

(محمد عباس طالب صفوی)

خود بینی عقاب

"ہماری زبان" مورخہ یکم جون ۱۹۶۸ء میں صفحہ ۸ پر آقای محترم سید مبارز الدین صاحب رفعت کا "استفسار" پیش نظر ہے۔ معلومہ فارسی نظم کا عنوان "تیر و عقاب" نہیں بلکہ "خود بینی عقاب" ہے یہ نظم تمام و کمال جناب رفعت صاحب کی خواہش کے مطابق بھیجی جا رہی ہے۔ نظم ہذا کا آخری مصرعہ "از ماست کہ بر ماست" نہیں ہے جیسا کہ پوری منقول نظم سے ظاہر ہے۔ البتہ "از ماست کہ بر ماست" نے فارسی ضرب المثل کا خوبصورت روپ اپنا لیا ہے۔

یاد رہے کہ "خود بینی عقاب" نظم اخلاقی شاعر ناصر خسرو کی کاوش فکر کا نتیجہ ہے جن کے عہد کی وضاحت اس بنا پر تحصیل حاصل ہے کہ جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت غالباً آقای رضا زادہ شفق کی مشہور فارسی تصنیف "تاریخ ادبیات ایران" کو اردو جامہ پہنا چکے ہیں۔ استدعا ہے کہ آپ از راہِ کرم "ہماری زبان" کی اگلی اشاعت میں "خود بینی عقاب" نظم کو شائع فرما کر خاکسار اور رفعت صاحب دونوں کا دلی شکریہ قبول فرمائیے گا۔ خدا "اے برتر از تنقید کیا ہے؟" کے مخلص خالق کو حیاتِ خضر دے ؎ شکر خدا تنہائی تو چند انکہ خدا تنہای تو

(کلدیپ پرکاش آریہ)

خود بینی عقاب

روزی ز سر سنگ عقابی بہ ہوا خاست — از بہر طمع بال و پر خویش بیاراست
بر راستی بال نظر کرد و چنیں گفت — امروز ہمہ روی زمیں زیر پر ماست
چوں من کہ تواند پرد در ہمہ عالم — چہ کرگس و چہ ققنس و کیہا چہ عنقاست
بر اوج چو پرواز کنم از نظر تیز — بینم سر موئی کہ گر در تہِ دریاست
گر بر سر خاشاک یکی پشہ بجنبد — آں پر زدنِ پشہ ہمہ در نظر ماست
بسیار منی کرد و ز تقدیر نترسید — بنگر کہ ازیں چرخ جفا پیشہ چہ برخاست
ناگہ ز قضا سخت کمانی ز کمیں گاہ — تیری ز قضا و قدر انداخت بر او راست
بر بال عقاب آمد آں تیر جگر دوز — و ز عالم علویش بہ سفلیش فرود کاست
بر خاک بیفتاد و بغلطید چو ماہی — وانگہ پر خویش گشود از چپ و از راست
ایں طرفہ عجب آمد کہ ز چوب و ز آہن — ایں تندی و تیزی و پریدن ز کجا خاست
چوں نیک نظر کرد پر خویش در آں دید — گفتا ز کہ نالیم کہ از ماست کہ بر ماست
ناقد تو منی را ز سر خویش بدر کن — بنگر کہ عقابی ز منی کرد چہا خاست

انیس انور

مکتوب لندن

بزم تفریح کا ماہانہ مشاعرہ

عبدالحلیم صدیقی کی اطلاع کے مطابق بزم تفریح لندن کا ماہانہ مشاعرہ الانفس ہال، پامر اسٹریٹ ایس۔ ڈبلیو ا لندن میں ۱۸ جون بروز ہفتہ شام چھ بجے منعقد ہوگا جس میں ممتاز شعرائے کرام کو شرکت کے لئے مدعو کیا گیا ہے۔ مشاعرہ کے ساتھ محفل موسیقی بھی ترتیب دی گئی ہے۔

ماہنامہ آفاق شمارہ مئی و جون

آفاق کے مئی اور جون کے شمارے جون کے دوسرے ہفتہ میں موصول ہوئے۔ مئی کا شمارہ اب کے بہت تاخیر سے شائع ہوا۔ اس شمارہ میں ٹیپو سلطان، میر رانجھا (حمید احمد خاں) اقبال کا تصور کائنات (محمد شریف بقاؔ) اور فیض احمد فیض بٹ بال ٹرینٹنگ (طنزیہ۔ عنقا) خاص مضامین ہیں۔ ہماری گلی (تمثیلیہ۔ ممتاز مفتی) اور مکان کا مرثیہ (استاد ڈنگی) بھی شامل اشاعت ہیں۔

جون کے شمارہ میں آخری مغل تاجدار۔ بہادر شاہ ظفرؔ (عالم صہبائی)، سوہنی (فہمیدہ عبادت) ایک رقاصہ سے (نیاز فتحپوری) اے ملک جمال (آغا حشر) اصفہان انصف جہان (سید غضنفر علی) بچے (ریڈرس) وغیرہ خاص مضامین ہیں۔ انتخاب درج ذیل ہے۔

رفعت سلطان

تیرگی کو نور کیسے جان لوں
حرف آتا ہے مرے ادراک پر
نا امیدی میں کرن امید کی
جس طرح شبنم خس و خاشاک پر

ناصر شہزاد

شاید کوئی پھر آکے تیری سیج پر سجائے
سرسوں کی کھیتیوں سے کئے پھول توڑ لے
وہ شمع ہی تو نور تھے بدن کی پیاس
اس کی لگن میں اپنے آنکھوں کے پھول لے

میر بشیر

زندگی تنظیم کے آداب سے غافل نہیں
سر جھکائے جا رہی ہے موت کے آغوش میں

انجم رومانی

کیسے پیر فقیر جو بولیں کرو دیے بول
دل کھولیں تو اب کہاں بیٹھیں کن کے پاس

دیکھا ہم نے آپ کو انجم صاحب خوب
من میں منوں ہی میل ہے تن پر صاف لباس

استاد ڈنگی

اس دیس میں کانوں کا ہے اللہ ہی نگہبان
جس دیس کی سرکار ہو غنڈوں کی طرفدار

حافظ عاشق ہرگانوی

جوہری دور میں زوال بشر
ارتقار کا کمال ہے شاید
دست حالات کے شکنجے میں
زندگی یرغمال ہے شاید

رفعت سلطان

اک ساغر حیات کی خاطر تمام عمر
وہ کون سا ہے زہر جو پینے پیا نہیں

ظفر واصلی

یوں مرے دل سے تمنا نکلی
قید سے کوئی رہا ہو جیسے

علامہ حسین میر کاشمیری

کیا خبر تھی انقلاب آسماں ہو جائے گا
قورمہ قلیہ نصیب احمقاں ہو جائے گا

ونسٹن چرچل۔ میں رجائیت پسند ہوں کیونکہ قنوطی ہونے میں کوئی فائدہ نہیں۔

شریف بقا۔ علامہ اقبال کے تصور کائنات کے اہم عناصر یہ ہیں: ۱۔ کائنات کی تخلیق بامقصد ہے۔ ۲۔ کائنات میں ہمیشہ حرکت جاری رہتی ہے یہ کوئی جامد شئے نہیں بلکہ یہ تو تغیر پذیر رہا کرتی ہے۔ ۳۔ چونکہ عالم محسوسات یا مادی دنیا حقیقی ہے اس لیے اس کا علم بھی قابل اعتبار ہے۔ ۴۔ کائنات فعل ایزدی ہے بیاطل کی ہرگز پیداوار نہیں۔ ۵۔ دنیاوی مشکلات عموماً ہماری تعمیر ذات اور تشکیل سیرت میں مددگار اور مفید ثابت ہوتی ہیں۔ ۶۔ انسان کائنات کا غلام نہیں بلکہ وہ اس میں خدا کا نائب ہے، کائنات انسان کی خادم ہے نہ کہ آقا۔ ۷۔ کائنات کی اصل روحانی ہے۔ ۸۔ کائنات دارالجزا نہیں بلکہ یہ دارالعمل ہے۔

مندرجہ بالا حقائق کو پیش نظر رکھ کر ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ علامہ اقبال کا تصور کائنات قرآنی نظریۂ کائنات کے تابع ہے اس لئے وہ دوسرے لوگوں کے تصورات سے زیادہ ٹھوس، مفید اور دلکش ہے۔

"ہماری زبان"
سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

لکھنؤ کارپوریشن میں اردو کو اس کا جائز مقام دیا جائے

انجمن ترقی اردو لکھنؤ کی مجلس عاملہ نے حسب ذیل تجویز پاس کی ہے اور کارپوریشن کے تمام ممبران سے اپیل کی ہے کہ وہ کارپوریشن میں اردو کے تحفظ اور انجمن ترقی اردو کے موقف کی عملی تائید کریں آپ سے درخواست ہے کہ آپ اپنے عملی تعاون کے متعلق صدر یا سکریٹری انجمن ترقی اردو کو جلد از جلد مطلع فرمائیں۔

تجویز: یہ جلسہ لکھنؤ کارپوریشن سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ کارپوریشن کی جملہ کارروائی مثلاً ایجنڈا، جلسہ کی کارروائی، نوٹس، اشتہار، ہدایات، اطلاعات وغیرہ کو اردو میں بھی جاری کرے نیز اپنے تحت تمام تعلیمی اداروں میں اردو طلبہ کے لئے اردو کی تعلیم کا بلا تاخیر فوری طور پر انتظام کرے۔"

یہ جلسہ تمام ممبران کارپوریشن سے اپیل کرتا ہے کہ وہ کارپوریشن میں اردو کے حقوق کا تحفظ اور انجمن کے مطالبہ کی تائید کریں اور اپنے عملی تعاون سے انجمن کو مطلع فرمادیں۔

(سکریٹری)

بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی مجلس عاملہ کے عہدہ داران

جناب غلام سرور صدر اور جناب تاب صدیقی جنرل سکریٹری بہار ریاستی انجمن ترقی اردو نے بہار اسٹیٹ اردو کانفرنس کے مجلس مندوبین کی تجویز اور بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کے کانسٹی ٹیوشن کی تفویض کردہ اختیارات کے تحت انجمن کی مجلس عاملہ کے لئے درج ذیل حضرات کی نامزدگی فرمائی ہے۔

صدر: جناب غلام سرور نائبین صدر: محترمہ عزیزہ لقی امام پٹنہ۔ جناب غضنفر نواب دانش پٹنہ سٹی، جناب خادم حسین ایم۔اے۔ایل۔ خازن: جناب شاہ مشتاق احمد سابق ایم۔ایل۔اے۔ سکریٹریز: جناب سید رضی حیدر۔ ایڈیٹر صدائے عام پٹنہ۔ جناب شمیم ربانی۔ کشن گنج پورنیہ۔ جناب شمیم احمد صدیقی ایڈیٹر معاشرہ پٹنہ۔

ممبران مجلس عاملہ: جناب رامائن سنگھ۔ پٹنہ۔ جناب محمود عالم ایڈوکیٹ۔ سیتامڑھی۔ جناب پروفیسر عبدالمغنی۔ پٹنہ جناب تقی رحیم پٹنہ۔ جناب جوہر نظامی۔ سمری بختیارپور۔ جناب باسط عظیم آبادی۔ جگر دھرپور۔ جناب زین الحق بکسہار۔ پورنیہ جناب مولانا جمیل اختر رانچی۔ جناب مظفر اقبال، بھاگلپور۔ جناب محمد شعیب عثمانی۔ گیا۔ محمد معین الحق ایڈوکیٹ مظفرپور۔ جناب ... الرحمن ایم ایل سی مونگیر (چمپارن)

جنرل سکریٹری: جناب تاب صدیقی۔

جوائنٹ سکریٹری دفتر انچارج۔ شمشاد علی خاں یعقوبی سیوانی بہاری۔ سکریٹری نشر و اشاعت: جناب ضیا عین الرحمن ایم۔اے ڈپٹی ایڈ(یٹر)

اسسٹنٹ سکریٹریز: جناب خواجہ منظر صدیقی۔ سکندرہ، جناب انوار عالم پٹنہ جناب پروفیسر انیس امام آرہ۔ جناب عبدالعلیم ہیڈ ماسٹر مدن پور ہائر سکنڈری اسکول۔

(شمشاد علی خاں یعقوبی)

انجمن ترقی اردو راجستھان کی مجلس عاملہ کا انتخاب

انجمن ترقی اردو راجستھان کی مجلس عاملہ کے لئے حسب ذیل عہدہ داران کا انتخاب بالاتفاق عمل میں آیا۔

راؤ بہادر پنڈت اوتار نرائن صاحب بہادر — صدر
نواب محمد عبدالباقی خاں صاحب — نائب صدر
سید احمد علی شاہ صاحب قمر جعفری — نائب صدر
خان محمد وحید اللہ خاں صاحب وحید — نائب صدر
احترام الدین احمد شاغل — جنرل سکریٹری
ڈاکٹر سردار رام سنگھ صاحب — خازن
بابو عبدالرؤف صاحب — اسسٹنٹ سکریٹری
ماسٹر محمد انعام الدین صاحب عثمانی — اسسٹنٹ سکریٹری
محمد عبدالصمد خاں صاحب اثر ودھیوری — سکریٹری برائے آل راجستھان اردو سمپوزیم و مشاعرہ ۱۹۶۸ء۔

(احترام الدین احمد شاغل)

شکر نگر میں یوم اردو

شکر نگر (حیدرآباد) انجمن ترقی اردو شاخ بودھن کی جانب سے "اردو ہفتہ" کے سلسلے میں "یوم اردو" کا ایک جلسہ جنبش کلب شکر نگر میں منعقد ہوا۔ جناب بجوم راؤ صاحب ایم۔ایل۔اے بودھن نے صدارت فرمائی۔ جناب شوم شکر صاحب دلیپ کمار چیرمین بلدیہ بودھن اور سریواس لاہوٹی مہمان خصوصی تھے۔ جناب سریواس لاہوٹی صاحب، وحید مرزا۔ کملاکر شنا ریڈی جمیل الرحمن۔ ایچ۔کے۔ استھانہ بی۔ ڈی۔ راجیا۔ ارشد مرزا اور صدر جلسہ نے اپنی تقریروں میں اردو کو دکنی حق دینے کی پرزور وکالت کی۔ صدر جلسہ نے قرارداد پیش کی اور لاہوٹی صاحب نے اس کی تائید کی۔ متفقہ طور پر قراردادوں کو منظور کیا گیا۔ جلسے کے اختتام کے بعد مشاعرہ ترتیب دیا گیا جس کی صدارت جناب کرشنا ریڈی صاحب نے فرمائی۔ (ساغر حیدرآبادی)

انجمن ترقی اردو سمرالہ (لدھیانہ) کا اردو تعلیم کا اسکول

انجمن ترقی اردو سمرالہ ضلع لدھیانہ کی طرف سے اردو تعلیم کا اسکول یکم رجون ۱۹۶۸ء سے شروع کیا گیا ہے۔ جناب رام سروپ نائب صدر انجمن دے رہے ہیں۔ اردو سیکھنے والوں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے اور انجمن کو طلبہ کی تعداد کو دیکھ کر وسیع انتظام کرنا پڑے گا۔

(رام پرکاش ودگل)

مدھیہ پردیش میں انجمن ترقی اردو کی سرگرمیاں

مدھیہ پردیش میں انجمن ترقی اردو (ہند) کی شاخیں مختلف مقامات پر بڑی خوش اسلوبی سے اپنی ذمہ داریاں پوری کر رہی ہیں اور اردو کی بقاء و ترقی کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ ذیل میں ان میں سے کچھ شاخوں کی سرگرمیوں کا ایک مختصر سا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

انجمن ترقی اردو کھنڈوا

کھنڈوا کی انجمن کا شمار صوبائی انجمن ترقی اردو کی بے حد فعال شاخوں میں ہوتا ہے۔ اردو کی عملی خدمت کے سلسلے میں یہ اپنی منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ اس نے حال ہی میں اردو تعلیمی مدارس کے قیام کے سلسلہ میں کئی دیہی علاقوں کا سروے کیا ہے اور یہ کام ابھی جاری ہے۔ کھنڈوہ اور اطراف میں اس کی کوششوں کے نتیجہ میں کئی اردو پرائمری، مڈل اور ہائی اسکول کامیابی سے چل رہے ہیں توقع ہے کہ اگلے تعلیمی سیشن تک مزید اردو پرائمری اور مڈل اسکول جاری ہوں گے۔

کھڑکیا میں انجمن نے اردو پرائمری اسکول قائم کیا ہے۔ اس کی عمارت کے لئے مدھیہ پردیش وقف بورڈ کے صدر خان شاکر علی خاں سے ایک وفد ملا جس کی عرضداشت کو صاحب موصوف نے توجہ سے دیکھا اور ضروری کارروائی کا حکم صادر کیا۔ اس وفد میں مسٹر آفاق احمد صوبائی انجمن کے جنرل سکریٹری، پروفیسر حسن مسعود بھوپال انجمن کے جنرل سکریٹری اور شیخ محمد صدیقی (کھنڈوہ) شامل تھے۔

انجمن ترقی اردو جبلپور

جبلپور کی انجمن اردو کے فروغ کے لئے جہاں بہت سے دوسرے کام کرتی ہے وہاں وہ ہر ماہ ایک طرحی مشاعرہ بھی منعقد کرتی ہے۔ اور اسے پمفلٹ کی شکل میں طبع بھی کراتی ہے۔ اس سال ابھی تک دو تین مشاعروں کی کارروائیاں طبع کرا چکی ہے۔ مارچ کے مشاعرہ کے مصرع ہائے طرح تھے۔ "آہ میں بھی اثر نہیں ہوتا" اور "کسی پردہ نشیں کی یاد بھی پردہ نشیں نکلی" ڈاکٹر پریم چند سریواستو کی زیر صدارت اس مشاعرہ میں جناب پنا لال سریواستو ایڈوکیٹ، چودھری بے کشن حبیب، محمد حنیف صاحب انصاری، منشی ہدایت حسین شرر، جناب عبدالمجید حسرت، جناب اشفاق نادان، حافظ فضل الرحمٰن غوری کے علاوہ ۲۲ شعرائے کرام نے اپنا کلام سنایا۔ یہ مشاعرے جہانگیر منزل میں منعقد ہوئے ہیں

انجمن ترقی اردو بھوپال

مدھیہ پردیش کی راجدھانی کی انجمن بھی سرگرم عمل ہے۔ اس کی ورکنگ کمیٹی کا ایک جلسہ ایم عرفان صاحب صدر انجمن کی صدارت میں ہوا۔ اس میں مختلف تنظیمی امور پر غور کیا گیا۔ انجمن نے میونسپل ریڈنگ روموں میں اردو اخبارات کے دوبارہ اجراء کے لئے جو کوشش کی تھی وہ بار آور ہوئی اور ان میں پھر اردو اخبارات آنے لگے ہیں۔ انجمن نے ایک ادبی فورم بھی تشکیل دیا ہے جس کے کنوینر جناب قوی دسنوی ہیں۔ انجمن نے رکنیت سازی کی مہم کو تیز کرنے کے لئے جناب قمر اشفاق مدیر روزنامہ ندیم، پروفیسر حسن مسعود جنرل سکریٹری اور جناب احمد سعید ندوی پر مشتمل ایک کمیٹی بھی بنائی ہے جو اس مہم کے ذریعہ ہزاروں کی تعداد میں محبان اردو کو انجمن کا رکن بنانے میں مصروف عمل ہے۔

انجمن ترقی اردو اندور

صوبہ کے صنعتی شہر اندور میں اردو دوستوں نے ایک نشست میں انجمن ترقی اردو (ہند) کی شاخ کے قیام کا فیصلہ کیا۔ جلسہ میں کہا گیا کہ اردو کے مسائل کے حل کے لئے ایک فعال جماعت کی حیثیت سے انجمن کی شاخ کا قیام ضروری ہے۔ مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل ایک ایڈہاک کمیٹی تشکیل دی گئی جو انجمن کے پیغام کو گھر گھر عام کرنے اور ممبر سازی میں مصروف ہے۔

صدر: جناب ایس این ودیارتن سلیم۔ نائب صدر: جناب ایس این سریواستو۔ جناب صادق اندوری۔ جنرل سکریٹری: جناب عزیز اندوری۔ سکریٹری: جناب رونق القیصری۔ خازن: جناب عزیز انصاری۔ ناظم نشر و اشاعت: جناب محمود نشتری۔

ممبران مجلس عاملہ: پروفیسر عادل جعفری۔ پروفیسر عبداللطیف خاں۔ جناب حبیب عالم، جناب مقصط اندوری۔ جناب ایس ایم طارق۔ جناب مقصود نشتری۔ جناب عبدالمجید خاں پرویز۔ جناب ابراہیم علی۔ حاجی محمد فضل الرحمٰن شعلہ۔

انجمن ترقی اردو منگاولی

انجمن ترقی اردو منگاولی (ڈسٹرکٹ گنا) بڑی کامیابی کے ساتھ ایک مدرسہ چلا رہی ہے جس میں بچوں کو اردو اور عربی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ مدرسہ بغیر کسی سرکاری گرانٹ کے خود انجمن کے باحوصلہ عہدیداروں اور کارکنوں کی مدد سے چل رہا ہے جس کے ذریعہ اردو تعلیم کا چراغ روشن ہے۔

انجمن ترقی اردو نیمچ

اس انجمن کی تشکیل کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے لیکن اس کے حوصلہ مند کارکنوں نے اپنا دائرہ عمل ارگرد اور ملحقہ تحصیلوں تک بڑھا لیا ہے۔ خاص نیمچ میں یہ انجمن مشاعرے تو کرتی ہی ہے لیکن اس نے تعلیم بالغان کا ایک مدرسہ بھی قائم کیا ہے۔ اس شبینہ مدرسہ میں بڑی تعداد میں غیر مسلم حضرات بھی اردو سیکھنے آتے ہیں ان میں کچھ تو کافی عمر ہیں۔ ان اسکول کے طلبہ کو بھی اردو تعلیم دی جاتی ہے جو اس سے محروم ہیں۔

(حسنات صدیقی)

(باقی صفحہ ۶ سے آگے)

ہی گرفتار نہیں پاتے بس جھٹ سے فیصلہ کر دیتے ہیں کہ یہ بدبخت ہمیں پہچانتا نہیں۔ پہلے ان بزرگوار کے پاس خوردبین تھی جس سے دلوں کے راز دیکھ لیتے تھے۔ وہ خوردبین اپنے قلبی عیوب چھپانے کے لئے آپ حضرات نے بڑی چالاکی سے اڑا کر کہیں گم کردی ہے اور اس کی جگہ بڑے میاں کی خدمت میں دعوے بدعت پیش کر دیئے ہیں اور اب وہ صرف بدعنوں ہی کی معرفت انسانوں کو پرکھ سکتے ہیں۔ استغفراللہ کیا انقلاب آیا ہے"۔ (جوش ملیح آبادی بنام [illegible])

"آپ صالحہ اور اکبر کی شکایت کرتے ہیں۔ یہ اگر ان باتوں کو جان جائیں تو ہمارے برابر کے ہو کر رہ جائیں گے۔ ابھی انھیں ہم تک پہنچنے کے لئے سالہا سال درکار ہیں۔ اس وقت انشاء اللہ یہ بھی اپنے چھوٹوں سے یہی شکایت کیا کریں گے اور ہمیں بھی کبھی کبھار اس بہانے یاد کرلیا کریں گے ہوگی معلوم کہ یاد کرتے بھی ہیں یا نہیں۔ ہائے والدین کی ذوش فہمی" (امتیاز علی عرشی بنام حامد حسین جیلانی)

مجھے نہیں معلوم کہ ان اقتباسات سے آپ کہاں تک لطف اندوز ہوئے۔ لطف اندوزی کا تعلق بھی انسان کے اپنے مزاج اور مذاق پر منحصر ہے لیکن مجھے اس کا یقین ہے کہ دو ہزار صفحوں کے اس ذخیرے میں ہر مزاج اور ہر مذاق کے لئے دلچسپی کا سامان موجود ہے۔

محمد طفیل مدیر نقوش کا نام بابائے اردو مولوی عبدالحق نے "محمد نقوش" رکھ دیا تھا اور ایک خط میں انھیں لکھا تھا کہ تم آدمی نہیں ہو جن ہو، آخر ایسے ایسے ضخیم نمبروں کے لئے مواد کہاں سے فراہم کرلیتے ہو۔" ہماری زبان کی کسی گذشتہ اشاعت میں سرور صاحب نے نقوش کے خطوط نمبر کا ذکر کرتے ہوئے محمد طفیل کے لئے "محمد نقوش" لکھا تھا ہمارے کاتب صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے "محمد نقوش" کی جگہ "محمد فاروق" رکھ دیا۔ میں ماہر نفسیات نہیں اور نہ لاشعوری تلازموں کے بارے میں قطعی طور پر کچھ کہہ سکتا ہوں لیکن میں نے اس غلطی کا مزہ اس طرح لیا کہ اسی اشاعت میں کئی جگہوں پر محمد فاروق دیوانہ گورکھپوری کا ذکر آیا تھا اور اگر یہ بات صحیح ہے کہ عربی میں دیوانہ کے لئے لفظ "مجنوں" ہے جس کے معنی ہیں وہ شخص جس پر جن کا سایہ ہو تو محمد طفیل کو "دیوانہ" کہنا زیادہ غلط نہیں جبکہ بابائے اردو انھیں "جن" سے تعبیر کر چکے ہیں اور اگر ان کی دیوانگی مسلم تو "محمد فاروق" بھی "دیوانہ" کا ہی ایک نام ہے جو ان کے صفاتی نام کے بیچ کچھ ایسا ناموزوں بھی نہیں۔

تبصرہ

محمد انصار اللہ

تسہیل الاملا۔ مرتب لالہ تیج رام

نظر ثانی و اضافہ از منشی عبدالقدیر

طابع و ناشر۔ انجمن ترقی اردو، دہلی

قیمت: ایک روپیہ پچاس پیسے

ضخامت، ۱۱۲ صفحات

آج اردو کی درس و تدریس کے سلسلے میں جو مسائل درپیش ہیں ان کا تصور بھی بیس پچیس سال پہلے شاید ممکن نہ تھا۔ انھیں مسائل میں سے ایک پیچیدہ مسئلہ املا کا بھی ہے عربی اور فارسی کا چلن اب تقریباً اٹھ گیا ہے۔ ہماری نئی نسل کے لئے ان زبانوں کے وہ الفاظ بھی مشکل ہو چلے ہیں جو "کثرت استعمال سے اردو ہی کے ہو کر رہ گئے" تھے تسہیل الاملا کے مرتب نے اس مسئلہ کا حل نکالنے کی بروقت کوشش کی ہے انھوں نے مختلف عنوانات کے تحت ایسے الفاظ کو جمع کیا ہے جن میں قریب المخرج حروف کے استعمال کے سبب غلطی کے امکانات ہیں۔ بعض عنوانات یہ ہیں:۔

"ان لفظوں کے شروع میں 'ث' ہے 'س' یا 'ص' نہیں ہے

" " " 'ص' " 'ث'، 'س' " "

ان لفظوں میں 'ذ' ہے 'ز' ہے ہے

" " " 'ز' " 'ذ' " "

" " " 'ظ' " 'ض' " "

" " " 'ض' " 'ظ' " "

متشابہات سے بچنے کے لئے اس طور پر الفاظ کا انتخاب اور ان کی ترتیب بجائے خود نیا اور مفید کام تھا لیکن فاضل مرتب نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ ہر لفظ کے ساتھ اس کے اصطلاحی اور مجازی معنی بھی لکھ دئے ہیں [لغوی معنی لکھنے کا التزام البتہ نہیں معلوم ہوتا] کتاب کے آخر میں "واحد اور جمع کے نمونے" بھی درج کئے ہیں۔ کتابت میں بھی زیر و زبر کا التزام کیا ہے گویا املا کے ساتھ ساتھ صحیح تلفظ کی تعلیم بھی دی گئی ہے۔

کتاب عمدہ سفید کاغذ پر چھپی ہے۔ اس طرح اسے صوری اور معنوی ہر قسم کے محاسن سے آراستہ کرنے کی کوشش کی ہے قیمت بھی زیادہ نہیں ہے۔ سہو و خطا سے کون پاک ہے! اس کتاب میں بھی بعض باتیں مل سکتی ہیں۔ مثلاً صفحہ ۱۱ پر "سیدھا سادا" کی جگہ "سیدھا سادھا" لکھا ہے یا صفحہ ۳۱ پر "حلیم" کے بعد "د" زاید ہے وغیرہ لیکن ایسی باتوں سے کتاب کی اہمیت اور افادیت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ یقین ہے کہ ضرورت مند اس قابل قدر کتاب سے پورا فائدہ اٹھائیں گے۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ۔ پرنٹر و پبلشر سید سجاد علی نے لیتھو کلر پریس علی گڑھ میں چھپا یا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شایع کیا